دبستانِ لکھنؤ کے داستانی ادب کا ارتقاء

(مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی)

۱۹۷۳ء تا ۱۹۷۶ء

مقالہ نگار

محمد آغا سہیل

اسسٹنٹ پروفیسر اُردو۔ شعبۂ السنہ ایف سی کالج۔ لاہور

نگران

ڈاکٹر عبید اللہ خان

اُستاد شعبۂ اردو۔ اورینٹل کالج۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور

DATA ENTERED

M-1955

1976

118226

مقالہ

دبستان لکھنؤ کے داستانی ادب کا ارتقاء

از

نگران پروفیسر:

ڈاکٹر عبداللہ خان
شعبۂ اردو اورینٹل کالج
پنجاب یونیورسٹی لاہور

مقالہ نگار:

آغا سہیل
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ السنہ
ایف سی کالج لاہور

۱۹۷۶ء

22/10/73

مقالہ

برائے پی - ایچ - ڈی

از

روئے اجازت نامہ یونیورسٹی آف دی پنجاب

منجانب رجسٹرار یونیورسٹی آف دی پنجاب لاہور

چٹھی نمبر ۱۲۵۵ جی-ایم المرقومہ ۱۳ دسمبر ۱۹۷۳ء

اجازت نامہ برائے پی ایچ ڈی

" دبستان لکھنو کا داستانی ارتقاء " کا عنوان

۳ اکتوبر ۱۹۷۳ء کی

کمیٹی آف ایڈوانسڈ اسٹڈیز اینڈ ریسرچ

کی میٹنگ میں منظور ہوا

مقالہ نگار :

محمد آغا سہیل

اسسٹنٹ پروفیسر اردو - شعبۂ السنہ

ایف سی کالج - لاہور

پتہ :

۲۳ ایف سی کالج لاہور

فون سکونت : ۸۲۹۱۶

فہرست : ابتدائیہ (پیش لفظ)

باب اول ۱) اردو نثر کا ارتقا (جنوبی و شمالی ہند میں باعتبار اصناف نثر (مختصر جائزہ) ص۱
۲) داستان : (مختصر تعریف : مصر بابل چین یونان ہندوستان
عرب ایران مغربی یورپ و انگلستان کے حوالے) ۳) داستان گوئی اور
داستان گو (دہلی اور لکھنؤ) ۴) اردو داستان نگاری (۱۷۳۵ء تا
۱۸۰۰ء ایک مختصر سا جائزہ) ۵) اردو داستان نگاری کی روایت
فورٹ ولیم کالج کے احاطہ سے لیکر بیرونی احاطہ تک (مختصر سا جائزہ)

باب دوم ۱) لکھنؤ کا سن وقوع : آب و ہوا آبادی اور تجارتی مرفہ حالی : ص۶۸
دبستان لکھنؤ میں داستان کے اولین نقوش (لکھنؤ کے مخصوص
معاشرتی پس منظر میں ۲) داستان میں دوسرے اصناف کے عناصر اور
لکھنوی معاشرت ۳) لکھنؤ کی غیر اہم داستانیں انشا کی رانی کیتکی
اور دوسری مشہور داستانیں

باب سوم ۱) لکھنؤ کی اہم داستانیں ۲) لکھنؤ کی غیر اہم داستانیں ص۱۳۲
۳) بیرون لکھنؤ کی اہم داستانیں ۴) دونوں کا تقابلی مطالعہ
خوبیاں اور خامیاں اور نتائج کا استخراج

باب چہارم ۱) تحسین اور نوطرز مرصع (مع ذکر مہجور) ۲) انشا اور رانی کیتکی ص۱۷۸
(ایک جائزہ) ۳) دبستان لکھنؤ میں دونوں کی اہمیت

باب پنجم ۱) مرزا رجب علی بیگ سرور کی فسانہ عجائب (ایک مفصل مطالعہ) ص۲۱۸
۲) لکھنویت کی نمایندگی ـ

باب ششم ۱) پنڈت رتن ناتھ سرشار کا فسانہ آزاد داستان اور داستانی عناصر ص۲۸۸
اور لکھنویت کی نمایندگی

باب ہفتم ۱) طلسمات و مہمات کی داستانیں اور لکھنؤ ص ۳۱۵
۲) داستانی ارتقاء (الف) جاہ لکھنوی (ب) قمر لکھنوی
اور (ج) صدق حسین لکھنوی کی خدمات اور داستانی ارتقا
کا نقطہ عروج داستان لکھنؤ اور داستانی ادب کا ارتقاء
باب ہشتم (اختتامیہ) کتابیات ـ خلاصہ ص ۳۷۹

ابتدائیہ

تنقید کا صحیح ذوق صحت مند ادب کی تخلیق کا ضامن ہوتا ہے لیکن تنقید کے صحیح ذوق کی ضمانت کسی شخص سے حاصل نہیں کی جا سکتی ۔ تخلیق پر قدرت رکھنے والے طبائع بالعموم تنقید کے ذوق سے یا تو عاری ہوتے ہیں یا اسے کار بیکاراں سمجھ کر نظرانداز کردیتے ہیں تاہم تنقید ایک ایسی روشنی ہے جو اندھیرے راستوں کو منور اور مستنیر کرتی ہے اور تخلیق ادب کے جو کارواں اس روشنی میں سفر کرتے ہیں وہ اپنی منزل پر ضرور پہنچتے ہیں ۔

مجھے تنقید کا ذوق صحیحہ نصیب نہیں لیکن تخلیقی ادب کے ایک معمولی طالب علم کی حیثیت سے کم وبیش تیس سال اس دشت کی سیاحی میں گزارنے کے بعد یہ خیال ہوا کہ داستان پر بعض ایسے زاویوں سے روشنی ڈالی جاسکتی ہے کہ بجائے خود اردو داستان کی افادیت بھی واضح ہوجائے اور دبستان لکھنؤ کے داستانی ارتقاء کا کسی قدر ایک نیم مبہم سا خاکہ بھی سامنے آجائے چونکہ مجھے (جیساکہ کہا گیا) تنقید کا ذوق نہیں لہٰذا تحقیقی نقطۂ نظر سے زیادہ اس مقالے میں تنقیدی زاویۂ ملحوظ رہا اور اس کے خاکے کے رنگوں کو زیادہ واضح انداز میں نکھارنے کے لئے داستان کی صنف سے بھی بحث کی گئی اس کی تاریخ بھی بیان کی گئی اور اردو داستان کے محاسن ومعائب بھی معرض بحث میں لائے گئے ۔

دبستان لکھنؤ نے اصناف نظم ونثر میں جو خدمات انجام دیے ہیں وہ بجائے خود وسیع ہیں لیکن بطور خاص اردو نثر میں داستان سب سے اہم صنف ہے ۔ میں منظوم یا منثور داستان کی ترکیب سے مطلقاً * متفق نہیں ہوں داستان محض داستان ہوتی ہے اور اسے نثر میں لکھا جاتا ہے جو داستان منظوم ہوتی ہے وہ داستان نہیں ہوتی نظم ہوتی ہے یا نظم کی کوئی نہ کوئی صنف ہوتی ہے جس میں کسی داستان کے بیان کرنے کی صلاحیت تو ہوتی ہے مگر جو

داستان بیان کی جاتی ہے وہ بجائے خود داستان نہیں ہوتی اس کے اجزاء ہوتے ہیں ۔ سحرالبیان گلزار نسیم یا زہر عشق مثنویاں ہیں اور مثنوی کا ایک لازمی جزو قصہ ہے ۔ قصے کے ہونے سے وہ داستان کیسے بن گئیں یہ نہ تو میری سمجھ میں آتا ہے اور نہ میں اسے تسلیم کرنے کو تیار ہوں ڈاکٹر گیان چند جین نے جو " نثری داستانیں " کی ترکیب استعمال کی ہے وہ بہرحال محل نظر ہے ۔

بہرحال دبستان لکھنؤ داستان کی صنف کے لحاظ سے نہایت اہم ہے ۔ سید انشاءاللہ خان انشاء سے یہ سلسلہ شروع ہوکر [illegible] تک جاری رہا حتیٰ کہ لکھنؤ کے اقتصادی او سیاسی زوال کے بعد بھی داستان کے آثار لکھنؤ کے قرب و جوار میں پھیل کر بظاہر کہیں ہوگئے او ریاستوں جاگیروں او رجواڑوں کی سرپرستی میں نشوونما پاتے رہے لیکن بقول ڈاکٹر سہیل بخاری :

> " اردو داستان فورٹ ولیم کالج میں پیدا ہوئی لکھنؤ میں اس پر شباب آیا اور رامپور میں اس کا انتقال ہوگیا ۔"

لکھنؤ کا یہ دور شباب سرور کی فسانہ عجائب سے شروع ہوکر جاہ اور قمر کی طلسم ہوشربا تک پھیلا ہوا ہے ۔ یوں تو لکھنؤ کی داستان کا آغاز تحسین کی نوطرز مرصع سے ہوتا ہے اور انشا سے لیکر جاہ قمر اور صدق حسین تک ۔

ارتقاء کی یہ کہانی بتدریج آگے ہی بڑھتی رہتی ہے لیکن اس کے اصل خط و خال سرور کی فسانہ عجائب اور جاہ و قمر کی طلسم ہوشربا میں واضح ہوتے ہیں چنانچہ اس مقالے میں ان پر نسبتاً زیادہ توجہ دی گئی ہے ۔

تحقیق سے مطلقاً " اجتناب بھی نہیں برتا گیا ہے لیکن بطور خاص اس پامال فرسودہ اور پاریہ روش سے انحراف کیا گیا ہے جس میں صرف اور صرف مصنف کا نام ولدیت سنہ سنہ تصنیف سنہ ولادت اور وفات وغیرہ پر محقق کا زور تحقیق صرف ہوتا ہے اور آگے آئینہ — خانہ خالی " اگر ایسی کوئی صورت پیدا ہوگئی ہے اور اسے اس مقالے کے حق میں مفید سمجھا گیا ہے، تو اسے نظر انداز بھی نہیں کیا گیا لیکن سعی یہ کی گئی ہے کہ مقالہ ھذا کا اصل مقصد نگاہ سے محو نہ ہونے پائے جو بہرحال محض تحقیق نہیں ہے بلکہ تنقید بھی ہے — تحقیق اس معنی میں نہیں کہ جو ڈاکٹر گیان چند جین کو ملحوظ تھی کہ الف سے یہ ی تک جستجو اور جس جس قماش کی داستانیں ملیں یا ان کا سراغ ملا سب کا ذکر کرکے وہ اپنے فرض منصبی سے عہدہ برآ ہوگئے — اور تنقید وہ نہیں جیسے ڈاکٹر سہیل بخاری نے اپنے مقالے میں اختیار کیا ہے کہ تمام داستانوں کے سراغ کی تان رامپور کے کتب خانہ عالیہ پر توڑی ہے — بغور دیکھئے تو دونوں حضرات نے داستانوں پر کیٹلاگنگ کردی ہے داستان کے فن پر ذرا سی بحث بھی کرلی ہے لیکن دونوں حضرات نے تحقیق یا تنقید کے ذریعے نتائج کا استخراج کرکے کوئی واضح نظریہ نہیں پیش کیا جبکہ میرے پاس شروع ہی سے کوئی نہ کوئی نظریہ موجود ہے اور میں لکھنؤ کے دبستان تک داستانی ارتقاء کو محدود رکھنا چاہتا ہوں کیونکہ میرا موقف ہے کہ اصل داستان لکھنؤ سے شروع ہوکر لکھنؤ ہی میں ختم ہوگئی — جنوبی ہند کی سب رس شمالی ہند میں تحسین کی نوطرز مرصع اور فورٹ ولیم کالج کی داستانیں لکھنوی داستانوں کے لئے خام مواد کا کام کررہی تھیں اور مطبع لکھنؤ رامپور کی داستانیں لکھنوی داستانوں کی صدائے بازگشت بن جاتی ہیں اللہ اللہ خیر صلا —

میرے مذکورۂ بالا موقف سے ڈاکٹر گیان چند جین اور ڈاکٹر سہیل بخاری کے وقیع مقالات غیر وقیع نہیں بن سکتے ۔ دونوں کی افادیت اپنی اپنی جگہ پر مسلم ہے لیکن تحقیق و تنقید کی اس گرد میں جو تخلیق کے جواہر ریزے چھپ کر نگاہوں سے اوجھل ہوگئے تھے یا ان کی روشنی ماند پڑ گئی تھی ان کو جھاڑ پونچھ کر نکالنا ابھارنا صاف کرکے سامنے لانا میرے نزدیک تحقیق و تنقید سے زیادہ اہم کام ہے چونکہ برے بھلے جو کچھ بھی ہوں اب تک میں نے طالب علمانہ سطح پر اردو ادب میں صنف افسانہ کی پچیس چھبیس سال تک تخلیقی میدان میں خدمت انجام دی ہے لہٰذا صنف داستان میں تخلیقی و ابداعی عناصر اور ان عناصر میں وہ محاسن جو داستان کو داستان بناتے ہیں انہیں اجاگر کرنے کا کام میں نے انجام دینے کی سعی کی ہے ۔ اگر دبستان لکھنؤ میں داستان کسی افادیت واضح ہوکر سامنے آگئی اور داستانی ارتقا کی تمام کڑیاں جڑ گئیں ہیں تو اس مقالے کی حد تک میں اپنے نصب العین میں کسی قدر کامیاب ہوچکا ہوں لیکن یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ مقالہ ھذا اس موضوع پر کوئی حرف آخر ہے کیونکہ حرف آخر نہ ڈاکٹر گیان چند جین نے لکھا نہ ڈاکٹر محمود فاروقی المعروف بہ سہیل بخاری نے اور نہ کلیم الدین احمد نے ۔ حرف آخر میں نے بھی نہیں لکھا ہے بلکہ امکانی حد تک اپنے موضوع پر استواری و ایمانداری سے ڈٹا ضرور رہا ہوں لیکن ضروری نہیں کہ حق ادا بھی ہوگیا ہو ۔ میرے ہی ساتھ ساتھ اسی دانشکدۂ پنجاب لاہور سے داستانوں کے موضوع پر ایک دوسرے پہلو کو ملحوظ رکھ کر قابل قدر کام انجام دیا جارہا ہے لیکن حرف آخر وہ بھی نہیں ہے دراصل ہم اپنے اپنے مقالات کسو حیطۂ نور نہیں بنا سکتے صرف روشنی مہیا کرنے والا ایک مشعل بناکر پیش کرسکتے ہیں یا شعلہ بناکر تاریک راستے پر تھوڑی دیر کے لئے آویزاں کرسکتے ہیں کہ تاریکی چھٹ جائے اور

راستہ واضح ہوجائے ۔ ظاہر/اکثر خطرہ نو بننے والی بات اس لئے ممکن نہین رہی کہ ادب کا رشتہ متعدد ترقی یافتہ یا ترقی پذیر سائینسون سے جڑچکا ہے اور مشکل یہ ہے کہ اس عہد کا انسان خود اپنے ہی عہد کی تفہیم کے لئے ان سائینسون کو نہ تو پوری طرح سمجھتا ہے نہ سوائے اندرون تاریخی عوامل اور معاشرتی تجربات کے حوالے سے ادب کی فہم رکھتا ہے جب اس کا علم خود نامکمل ہے تو آیندہ کے لئے وہ جوکچھ لکھ رہا ہے یا لکھے گا وہ محض اشارات تک محدود ہے اور محدود ہوگا آیندہ اور بعید آیندہ کا انسان (کم ازکم خطے اس مشرقی معاشرے کا انسان) شاید کبھی اس قابل ہوسکے کہ ادب کی تفہیم کے لئے موجودہ سائنسون کو سمجھے اور معاشرے کے فعال اقدار کو دریا کی موجون کی طرح سمجھ کر اس کے منبع کو تلاش کرے اور اس تمام کدوکاوش کے بعد فکر کا جوچراغ وہ روشن کرے گا ممکن ہے کہ وہ کبھی خطرہ نو بن سکے ۔

اس مقالے کے آٹھ ابواب ہین شروع مین یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ ان مطالب ومفاہیم کو جوملحوظ ہین چھ ابواب مین تقسیم کیا جائے لیکن یہ محسوس کرکے کہ بات مکمل نہین ہوسکے گی لہذا انہی چھ ابواب کے بطن سے مزید دوابواب نکالے گئے اور خاکے کوتھوڑا سا پھیلا دیا گیا چنانچہ باب اول مین اردو شعر کے ارتقاء کا مختصر مگر ایک جامع جائزہ پیش کیا گیا ہے جو جنوبی وشمالی ہند کومحیط ہے اسی باب مین صنف داستان کو ملکون تہذیبون اور ادبون کے حوالے سے سمجھنے اور متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور داستان سرائی یا داستان گوئی کی روایت کا جائزہ لیا گیا ہے بحوالہ دہلی ولکھنؤ کے تہذیبی حوالون سے داستان گوئی کے داستان نگاری تک پہنچنے والے راستے کا تعین کیا گیا ہے اور اس تمام گفتگو کو فورٹ ولیم کالج کی داستانون اور اس کے باہر لکھی جانے والی داستانون تک پہنچا کرباب اول کی بساط لپیٹ

دی گئی ہے ۔ باب دوم میں لکھنؤ کا بطور خاص ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ داستان کا جسو
پیسے اس سرزمین میں پیدا کیا اس کی کیفیت کیا تھی ۔ زمین کا مزاج ماحول فضا آب و ہوا
وغیرہ کا رنگ ڈھنگ کیسا تھا جس میں یہ بیج اگا پروان اور پھر دیکھتے دیکھتے ایک
مضبوط اور تناور درخت بن گیا تاہم باب دوم کو انشاکی رانی کیتکی تک محدود رکھا تاکہ
تیسرے باب میں لکھنؤ کی اہم و غیر اہم داستانوں کا جائزہ لیا جاسکے اور رطب و یابس سے
اچھی اچھی اور قبیح داستانوں کو چھانٹا جا سکے ۔ یہاں کوئی تقابل کا بڑا بھاری معرکہ
سر نہیں کیا گیا بلکہ محض لکھنوی داستانوں کے جاذب نظر خد و خال کو اجاگر کیا گیا ہے
البتہ باب چہارم میں تحسین کی نو طرز مرصع اور اس کے ساتھ مہجور کی گلشن نوبہار
اور سید انشا کی رانی کیتکی کا مختصراً" جائزہ لیکر یہ بتانے کی سعی کی گئی ہے کہ دبستان
لکھنؤ میں ان داستانوں کی کیا بنیادی اہمیت ہے اور ان داستانوں نے مذکورہ دبستان میں
نیز اردو ادب میں کیا کردار ادا کیا ہے ۔ باب پنجم رجب علی بیگ سرور کے ادبی آثار کا
ضمنی سا ذکر کرتے ہوئے ساری گفتگو فسانہ عجائب سے کی گئی ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی
گئی ہے فسانہ عجائب دبستان لکھنؤ میں کس مقام کی حامل ہے ۔ باب ششم میں رتن ناتھ
سرشار کا مختصر سا ذکر ہے ان کے ترجمۂ الف لیلہ کا فسانۂ آزاد کا ذکر بھی کیا گیا ہے حالانکہ
سرشار بنیادی طور پر ناول نگار تھے تاہم ان کے ناولوں میں عموماً" اور فسانۂ آزاد میں
خصوصاً" لکھنؤ کا مزاج بھی خوب ابھر کر سامنے آیا ہے اور فسانہ آزاد میں داستانی عنصر
بھی بخوبی پہچانے جاسکتے ہیں دراصل باب ششم باب ہفتم کا پیش خیمہ یا پیش لفظ
ہے کیونکہ اس باب میں جاہ، قمر اور تصدق حسین کا ذکر ہے ۔ تصدق حسین کا ضمنی سا
اور جاہ و قمر کا خصوصی اور ان کے خدمات کے ضمن میں داستان طلسم ہوش ربا کا مطالعہ

کیا گیا ہے اور حقیقتاً " مقالہ اسی مقام پر ختم ہوجاتا ہے کہ میرا عملی نصب العین یہ تھا کہ دبستان لکھنؤ کی ان چند داستانوں اور عہد آفرین تصانیف کی ادبی اقدار کو کھنگالا جاسکے جو بجائے خود اہم بھی ہیں اور ان کی کوکھ سے ہزاروں داستانوں نے جنم لیا ہے ان گنت اسالیب بیان کی راہیں پھوٹی ہیں جن سے ایک لغت تیار ہوئی ہے اور لکھنوی معاشرت کی بھرپور ترجمانی ہوتی ہے تاہم باب ہشتم اس لئے لکھا گیا کہ تمام کڑیوں کو جوڑ کر گفتگو کا لب لباب اور خلاصہ بیان ہوسکے — مجھے امید ہے کہ اس صورت میں دبستان لکھنؤ میں داستان کی حیثیت کا کسی قدر تعین ہوگیا ہے —

اس مقالے کے مواد کی فراہمی میں کوئی خاص دقت پیش نہیں آئی — پنجاب یونیورسٹی لائبریری جو میری پہنچ میں تھی وہاں سے بیشتر کتب مہیا ہوتی رہیں — پنجاب پبلک لائبریری دیال سنگھ لائبریری اور پرشنگ میموریل لائبریری (ایف سی کالج لاہور) سے میں نے علمی و ادبی استفادہ کیا اور جب کبھی کسی امر میں دقت واقع ہوئی استاذی ڈاکٹر عبادت بریلوی اور استاذی ڈاکٹر عبیداللہ خان (جو اس مقالے کے نگران بھی ہیں) سے رجوع کیا اور دقت فوری ختم ہوگئی خصوصاً " ڈاکٹر عبادت بریلوی پروفیسر شعبۂ اردو و پرنسپل اورینٹل کالج لاہور ہی کہ موصوف میرے استاد بھی ہیں اور مربی بھی میری ہر طرح رہنمائی کی اور بعض عسیر الحصول مآخذ کے حصول میں مدد " مدد فرمائی میں خصوصی طور پر دونوں بزرگوں کا ممنون ہوں اور سمجھتا ہوں کہ محض اظہار تشکر ان حضرات کے لطف و کرم اور شفقت و محبت کا بدل نہیں ہوسکتا —

استاذی پروفیسر ڈاکٹر عبیداللہ خان کا بطور خاص ممنون ہوں کہ موصوف نے اپنی علالت کے باوجود اس ناچیز مقالہ پر توجہ رکھی اور مجھے جگہ جگہ پر مفید مشورے عنایت فرمائے ان

مشوروں کی روشنی میں جا بجا مناسب ترامیم عمل میں لائی گئیں بعض حواشی کا اضافہ ہوا بعض جگہ قطع و برید ہوئی اور بعض جگہ پیوند کاری سے کام لیا گیا ۔ استاذی ڈاکٹر عبادت بریلوی نے بڑی بعض ابواب کو بنظر اصلاح جستہ جستہ ملاحظہ فرما کر مجھے نہایت اہم اور مفید مشوروں سے سرفراز کیا ۔ مقالے کے ٹائپ کے سلسلے میں محترمی ڈاکٹر اعجاز قوی ڈاکٹر اقبال احمد خان صاحب عزیزہ مسرت سہیل سلمہا سے بھی میں رجوع کرتا رہا ہوں چنانچہ ان سب کا ممنون ہوں ۔ عبدالرشید صاحب جو ٹائپسٹ سے زیادہ میرے مہربان دوست اور کرم فرما ہیں ان کے ساتھ جمیلہ کا بھی ممنون ہوں ۔ ان بزرگوں دوستوں اور کرم فرماؤں کے تعاون کے بغیر میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتا تھا ۔ ڈاکٹر گیان چند جین ڈاکٹر سہیل بخاری ڈاکٹر عبادت بریلوی ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ پروفیسر کلیم الدین احمد ڈاکٹر صفدر حسین استاذی پروفیسر ڈاکٹر شبیہ الحسن نونہروی ڈاکٹر نیر مسعود رضوی پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب استاذی پروفیسر سید احتشام حسین پروفیسر سید وقار عظیم اور پروفیسر ڈاکٹر شارب ردولوی کی تصنیف کردہ کتابوں مسودوں اور مخطوطوں سے میں نے وقتاً "فوقتاً" استفادہ کیا اور کہیں کہیں پر اقتباسات بھی دیے گئے لہذا ان سب کا شکریہ مجھ پر واجب ہے ۔ کتابیات کی فہرست طویل ہے لہذا میں ان تمام بزرگوں کا شکرگزار ہوں جن سے میں نے ذاتی طور پر مشورہ لیا یا ان کی کتابوں سے فیض حاصل کیا ۔ سب سے زیادہ میں اپنی رفیقۂ حیات حشمت آرا بیگم کا ممنون احسان ہوں جنہوں نے میرے کلبۂ احزان کو پرسکون ماحول عطا کر کے اس مقالے کے لکھنے کو ممکن بنایا ۔

بزرگوں اور صاحبان علم سے گزارش ہے کہ مقالے کو بنظر اصلاح ملاحظہ فرما کر مفید مشوروں سے نوازیں تاکہ طباعت کی منزل آنے سے پہلے مناسب ترامیم عمل میں آسکیں ۔

آغا سہیل

۲۳ ایف سی کالج کیمپس لاہور — المرقوم ۲۸ ستمبر ۱۹۷۶ء